سہ ماہی ''تحقیق و تجزیہ'' (جلد4،شمارہ3:)،جولائی تا ستمبر2026ء

Moral Values of the Middle Class:In the Context of Ashar Najmi`s Novel "Joker"

متوسط طبقے کی اخلاقی اقدار: اشعر نجمی کے ناول ''جوکر'' کے تناظر میں

Anum Munazza *[1]
Mphil Scholar, Department of Urdu Language and Literature, University Of Sargodha.
Dr Sumaira Ijaz *[2]
Associate Professor, Department of Urdu Language and Literature, University Of Sargodha.

☆[1]انعم منزہ
ایم فل سکالر، شعبہ اردو زبان وادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا
☆[2]ڈاکٹر سمیرا اعجاز
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان وادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا

Correspondance:sumaira.ijaz@uos.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-07-2026
Accepted:26-09-2026
Online:29-09-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Ashar Najmi's novel ''Joker'' is a distinguished and insightful masterpiece of modern Urdu fiction that unmasks the hidden moral hypocrisy, psychological complexities, and marital monotony of the highly educated and privileged middle class through the lens of satire and humor. This study presents a critical and analytical evaluation of human instincts, lust, and the inner decay generated by materialistic values concealed beneath the guise of scientific and technical rationality. By conducting a detailed psychological and social analysis of the novel's key characters,Mr. Kashyap, Johar, Meero, and Suman,this paper demonstrates how individuals deploy their education, science, and technical intellect not for moral excellence, but to systematize sin into mathematical formulas. The paper highlights the artistic, stylistic depth, and satirical nuances of the novel while emphasizing the fundamental tragedy of modern materialistic society, where every individual appears as a respectable citizen on the surface but ultimately

performs as a ridiculous joker underneath.

KEYWORDS: Novel, Narcecism, Characters, Plot, Fiction, Story, Materalism , Hypocracy.

اشعر نجمی جدید اردو ادب کے ان ممتاز اور صاحبِ اسلوب فکشن نگاروں، نقادوں اور مدیروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اکیسویں صدی کے اردو فکشن کو ایک نیا فکری رخ، تیکھا طنزیہ اسلوب اور عصری آگاہی عطا کی ہے۔ وہ ادبی دنیا میں اپنی بے باک صحافتی و مدبرانہ خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے اچھوتے موضوعات اور جرات مندانہ طرزِ تحریر کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ان کی ادبی بصیرت کا اندازہ ان کے شاہکار ناولوں مثلاً "اس نے کہا تھا"، "جوکر"، اور "صفر کی توہین" سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جن میں انہوں نے جدید روپ اختیار کرنے والے بھارتی و ایشیائی معاشرے، درمیانے طبقے کی نفسیات، اور مادی دور کے انسان کے اخلاقی بحران کو موضوع بنایا ہے۔ بطور فکشن نگار، اشعر نجمی کی سب سے بڑی انفرادیت یہ ہے کہ وہ روایتی، رومانی یا محض بیانیہ داستان گوئی کے بجائے معاشرتی جراحی اور نفسیاتی تجزیے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ کہانی میں قاری کو لچھے دار زبان یا جذباتی ڈرامائیت سے بہلانے کے بجائے عقل و شعور کے اس نقطے پر لاتے ہیں جہاں انسان کو اپنے ہی وجود اور معاشرے کے کھوکھلے پن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کا اسلوب تیکھے طنز، گہری ذو معنویت اور روزمرہ کی حقیقت نگاری کا ایک انوکھا امتزاج ہے، جس میں وہ عصری اصطلاحات، ٹیکنالوجی کی زبان اور عام فہم مکالمے کو اتنی ہنرمندی سے استعمال کرتے ہیں کہ تحریر میں بلا کی روانی اور کاٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جدید اردو فکشن میں مڈل کلاس اور اعلیٰ متوسط طبقے کے باطنی تضادات، اخلاقی انحطاط اور بناوٹی معیارِ زندگی پر ان کا قلم نشتر کی طرح چلتا ہے۔ اسی فکری و اسلوبیاتی پس منظر میں ان کا ناول "جوکر" ایک ایسا تخلیقی شاہکار بن کر ابھرتا ہے جو موجودہ دور کے سائنسی و صنعتی انسان کے اخلاقی دیوالیہ پن کو مکمل طور پر بے نقاب کرتا ہے۔

اشعر نجمی کا ناول "جوکر" جدید اردو فکشن میں طنز و مزاح اور سماجی جراحی کا ایک ایسا انوکھا اور تہہ دار تجربہ ہے جو انسانی نفسیات، ازدواجی رشتوں کی یکسانیت اور سرمایہ دار و متوسط طبقے کی اخلاقی منافقت کو انتہائی بے باکی کے ساتھ بے نقاب کرتا ہے۔ یہ ناول روایتی رومانوی یا فلسفیانہ داستانوں سے ہٹ کر متوسط اور اعلیٰ متوسط طبقے کے ان پوشیدہ گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے جہاں ظاہری طور پر سب کچھ پر سکون، سائنسی اور تہذیب یافتہ نظر آتا ہے، لیکن باطن میں ہوس، بیزاری اور مضحکہ خیز فریب کاریاں پرورش پا رہی ہوتی ہیں۔ مصنف نے "انجینئرز انکلیو" جیسے ایک مخصوص اور محدود ماحول کو چن کر دراصل ایک ایسی کائناتی سوسائٹی کا خاکہ تیار کیا ہے جہاں ہر فرد ظاہری طور پر ایک معزز اور ذمہ دار شہری ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی محرومیوں کو چھپانے کے لیے کوئی نہ کوئی مضحکہ خیز سوانگ رچائے بیٹھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کہانی آغاز سے انجام تک قاری کو ہنسانے کے ساتھ ساتھ ایک گہرے فکری صدمے سے بھی دوچار کرتی ہے۔ اشعر نجمی کا یہ طرزِ تحریر روایتی ناصحانہ یا وعظیہ اسلوب کے بالکل برعکس ہے۔ وہ معاشرتی بگاڑ پر براہِ راست ماتم کرنے کے بجائے طنز اور

تضحیک کے نشتر سے کام لیتے ہیں، جس سے قاری کو پہلے پہل تو ہنسی اور تفریح کا احساس ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے تحریر کی پرتیں کھلتی ہیں، قاری خود کو ایک بھیانک اخلاقی المیے کے سامنے کھڑا پاتا ہے۔

اصولِ تنقید کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کسی بھی معرکہ آرائی پر مبنی ناول کی کامیابی کا انحصار محض واقعات کے بیان پر نہیں بلکہ اس کی کردار نگاری کی داخلی صداقت اور اثرانگیزی پر ہوتا ہے۔ ایک عام قصہ گو اور ایک اعلیٰ درجے کے ادبی ناول نگار کا بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ تخلیق کار کہانی کے افراد کی سیرت اور باطنی نقوش کو کتنی گہرائی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ناول "جوکر" میں اشعر نجمی نے بھی محض واقعات کا تسلسل قائم کرنے کے بجائے اپنے کرداروں کے باطنی تضادات اور منافقانہ سیرت کی اتنی گہری اور پر اثر نقاشی کی ہے جو قاری کو چونکا دیتی ہے۔ ناول نگاری کی اسی بنیادی خصوصیت اور سیرت نگاری کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد احسن فاروقی اور ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

> "محض قصہ گو اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ جس زندگی کا قصہ بیان کرتا ہے اس کے نقشوں کو بھی پوری طرح جمارہا ہے یا نہیں۔ وہ اس بات کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس کے قصے کے افراد میں کوئی جان یا سیرت بھی ہے یا نہیں۔ اسے تو فقط واقعات کے تسلسل سے کام ہوتا ہے مگر ادبی ناول نگار زندگی کے صحیح، گہرے اور پر اثر نقش بناتا ہے اور اس لئے اس کو سیرت یا کردار نگاری کی خوبی پر بہت کافی توجہ دینا چاہئے۔"(1)

اس تنقیدی اصول کی روشنی میں جب ہم "جوکر" کے کینوس کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اشعر نجمی نے ایک ادبی ناول نگار کی حیثیت سے اپنے کرداروں کو محض جامد یا فرضی پیکر بنانے کے بجائے ان کی سیرت کے ایسے پرت دار اور لرزہ خیز نقش ابھارے ہیں جو متوسط طبقے کے اندرونی اخلاقی زوال کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس ناول کا کینوس اگرچہ ایک چھوٹی سی کالونی تک محدود نظر آتا ہے، مگر اس کا فکری و نفسیاتی دائرہ کار پورے جدید، مادیت پرست اور کنزیومرزم کے مارے ہوئے سماج کا احاطہ کرتا ہے۔ مصنف نے جس کامیابی کے ساتھ مڈل کلاس کے کھوکھلے پن، باطنی خوف، دکھاوے اور اخلاقی دوہرے معیار کو بے نقاب کیا ہے، وہ اردو کے جدید فکشن میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید دنیا میں کارپوریٹ کلچر اور صنعتی ترقی نے انسان کو سہولیات تو فراہم کر دی ہیں لیکن اس کی روح کو بنجر کر دیا ہے۔ اشعر نجمی اس بات کو نشان زد کرتے ہیں کہ متوسط طبقہ کس طرح اپنی معاشرتی حیثیت کو بچانے اور معزز نظر آنے کے جنون میں اپنی حقیقی جذباتیت کو قربان کر دیتا ہے۔ وہ دکھاوے کی دنیا میں جیتے ہیں جہاں اصل اور نقل کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ناول کا اسلوب محض تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں جدید مادی انسان کو اس کی تمام تر اخلاقی

بد نماسیوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ مصنف کی یہ بصیرت جدید اردو ادب میں مڈل کلاس نفسیات کی باریک بینی سے تفہیم اور جراحی کا ایک نادر نمونہ ہے۔

تخلیقی اور افسانوی دنیا میں کرداروں کی تعمیر کے بنیادی اصولوں پر بحث کرتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کہانی کے کردار حقیقی دنیا کے انسانوں کا چربہ ہونے کے باوجود من و عن وہی نہیں ہوتے، بلکہ فنکار کی تخلیقی صلاحیت اور تخیل انہیں ایک نئے معنوی سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ "جوکر" کے کردار بھی ہمارے اردگرد کی معزز سوسائٹی ہی کا عکس ہیں مگر اشعر نجمی نے اپنے تخیل کی آمیزش سے انہیں جدید مادی انسان کے تضادات اور اخلاقی بے راہ روی کا نمائندہ پیکر بنا دیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے کردار نگاری کے فنی اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "یوں تو افسانوی کردار تمام انسانی زندگی کا کسی نہ کسی اعتبار سے چربہ ہوتے ہیں۔ پھر بھی فن و عن وہی نہیں ہوتا قصے کی کوئی بھی صنف ہو، فن کے تقاضے زندگی کے تقاضوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ فن کی بنیاد ہی تخیل پر ہے۔ جب کہ عملی زندگی میں تخیل صرف اعلیٰ سطح پر ملتا ہے۔ اور اس کی حیثیت مترادف کی ہے، بنیادی نہیں یہی تخیل عملی زندگی کو مختلف الصورت بنا کر فن کی دنیا سے روشناس کراتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے واقعی کردار قصے کی کتابوں میں کچھ بدلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔"(۲)

اسی تخلیقی تخیل کا کرشمہ ناول کے بنیادی پلاٹ میں نظر آتا ہے جہاں دو اعلیٰ تعلیم یافتہ میرین و ریلوے انجینئرز، کشیپ صاحب اور جوہر (بھنڈارکر) کے گرد کہانی گھومتی ہے، جو اپنی روزمرہ کی ازدواجی زندگی کی یکسانیت سے اتنے اکتا چکے ہیں کہ وہ اپنی ہوس کو تسکین دینے کے لیے باقاعدہ ایک "پروجیکٹ" (GPL - Greatest Planned Luck) تشکیل دیتے ہیں۔ اشعر نجمی نے اس سازش کو جو سائنسی اور ریاضیاتی رنگ دیا ہے، وہ ناول کے طنزیہ اسلوب کو اوجِ کمال پر پہنچا دیتا ہے۔ اس پروجیکٹ کی بظاہر بنیاد جدید مینیجمنٹ، ڈیٹا اینالیٹکس، اور تکنیکی مہارتوں پر رکھی گئی ہے، جس سے مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم، سائنسی علم اور تکنیکی مہارت انسان کو لازمی طور پر اخلاقی طور پر اعلیٰ یا تہذیب یافتہ نہیں بناتی۔ جدید دور کا انسان اپنی عقل، سائنس اور کارپوریٹ تجربے کو اکثر اپنے گناہوں، ہوس اور جبلتوں کو منظم، سائنسی اور محفوظ انداز میں پورا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہ ناول متوسط طبقے کی اس ذہنی عیاری پر گہری ضرب لگاتا ہے جہاں گناہ کو بھی ایک بزنس پلان یا پروجیکٹ رپورٹ کی طرح تیار کیا جاتا ہے تاکہ پکڑے جانے کے امکانات کو صفر کیا جا سکے۔ اس کے پس پردہ مڈل کلاس کی وہ نفسیاتی بے چینی اور خالی پن کارفرما ہے جو مادی آسائشیں حاصل کر لینے کے بعد جذباتی تسکین اور اخلاقی اقدار سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس پروجیکٹ کی تشکیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ جدید انسان کے لیے

اخلاقی اصول اور اقدار کوئی مقدس چیزیں نہیں ہیں جن کی پاسداری کی جائے، بلکہ وہ محض ایسی رکاوٹیں ہیں جنھیں جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی طریقہ کار سے عبور کیا جا سکتا ہے۔

روایتی طور پر انسانی تعلقات اور زندگی کا حسن سچائی، خلوص اور جذباتی صداقت پر قائم ہوتا ہے، لیکن جب انسان اپنے جذبات کو سائنسی فارمولوں کے تابع کر دیتا ہے تو تعلقات کا سچا پل ٹوٹ جاتا ہے۔ جذباتی صداقت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> ''اگر انسان میں جذبات نہ ہوں تو وہ انسان ہی نہ ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ جذبات کے اظہار سے انسان اپنی زندگی کے عمل کو آشکار کرتا ہے۔ انھی سے اس کا مخصوص خیال یا نقطہ نظر واضح ہوتا ہے۔ گویا انسانی تعلقات کے مابین یہ پل کا کام انجام دیتے ہیں اور انھی کے توسط سے محبت، خلوص، ایثار، دوستی دشمنی کینہ، عداوت سب کچھ ظاہر ہوتا ہے۔''(۳)

''جوکر'' میں مصنف نے دکھایا ہے کہ جب انسان جذبات کے اس قدرتی پل کو مسمار کر کے اسے محض ریاضیاتی حسابی کتاب میں بدل دیتا ہے تو گناہ بھی ایک تکنیکی ہدف بن جاتا ہے۔ کشیپ اور جوہر جیسے کردار اس مغالطے میں جیتے ہیں کہ وہ اپنے دماغی اور سائنسی نچوڑ سے فطرت کو چکمہ دے سکتے ہیں۔ ان کا یہ پروجیکٹ دراصل ان کی اندرونی اکتاہٹ اور روحانی خلا کو پر کرنے کی ایک احمقانہ اور گھناؤنی کوشش ہے، جس میں وہ اپنے خاندانی نظام اور باہمی اعتماد کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں۔

اسٹاپ واچ لے کر دوڑنا، قدموں کی گنتی کرنا، اور بیڈ روم کے جغرافیے کو سیکنڈوں کے حساب سے ناپنا انسانی حماقت کی وہ انتہا ہے جو یہ دکھاتی ہے کہ جب عقلِ سلیم پر ہوس کا غلبہ ہوتا ہے تو بڑے سے بڑا "جینئس" اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مینیجر بھی کس طرح ایک مضحکہ خیز جوکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مصنف نے پروجیکٹ کے مراحل کو آئی ٹی اور کارپوریٹ زبان میں بیان کر کے جدید دور کے اس انسان پر گہرا طنز کیا ہے جو جذبوں اور گناہوں کو بھی فارمولوں کے تحت مینیج کرنے کی خام خیالی میں مبتلا ہے۔ ناول "جوکر" میں اشعر نجمی نے کشیپ صاحب کا کردار جدید مادی اور مشینی دنیا کے اس اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مراعات یافتہ طبقے کی مکمل جراحی کے لیے تخلیق کیا ہے جو اپنی بظاہر نہایت معزز، سلیقہ مند اور تہذیب یافتہ سماجی زندگی کے پیچھے ہوس اور شدید اخلاقی دیوالیہ پن کو چھپائے پھرتا ہے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ ریلوے کے چیف انجینئر ہیں، اور ان کا پورا وجود، ان کی باطنی جبلت، اور ان کے سوچنے کا انداز ریلوے ٹریکس اور ٹائمنگ کے نظام میں رچ بس چکا ہے۔ نفسیاتی طور پر کشیپ صاحب شدید نرگسیت اور احساسِ برتری کا شکار ہیں؛ وہ خود کو ایک ایسی سائنسی صفت جینئس سمجھتے ہیں جو اسٹاپ واچ کے بل بوتے پر اخلاقی حدود کو پامال کر سکتی ہے۔ ان کی شخصیت تکنیکی مہارت اور اخلاقی جہالت کے متضاد امتزاج کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ وہ ہر شے کو نظام اور ٹائمنگ کی عینک سے دیکھتے ہیں، یہاں تک کہ انسانی احساسات،

جنسی خواہشات اور ازدواجی رشتوں کے تقدس کو بھی انہوں نے ٹائم ٹیبل اور سیکنڈوں کے فارمولے میں قید کر دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ چونکہ وہ ریلوے کے پورے ٹائم ٹیبل اور ٹریکس کو کنٹرول کرتے ہیں، اس لیے وہ انسانی زندگی، اخلاقیات اور گناہ کے واقعات کو بھی اپنے حساب سے کنٹرول کر سکتے ہیں۔ یہی خود پرستی اور سائنسی غرور آگے چل کر ان کے اخلاقی زوال اور عبرتناک شکست کا سبب بنتا ہے۔ کشیپ صاحب کا ذہن مشینی آلات، سوئچز اور مانیٹرنگ سسٹم کی طرح کام کرتا ہے۔ وہ انسانی تعلقات میں درپیش باریکیوں اور جذباتی لطافتوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک ٹرین کے نظام کو بٹن دبا کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح انسانوں کی اخلاقی رویوں کو بھی ریاضیاتی ٹائمنگ کے ذریعے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہی سائنسی نرگسیت انہیں یہ دھوکہ دیتی ہے کہ وہ کسی بھی خطرے سے محفوظ ہیں اور اپنے حریفوں یا شراکت داروں سے زیادہ ذہین ہیں۔ وہ اپنی ذات کے حصار میں اتنے بند ہیں کہ انہیں اپنے اردگرد پھیلی ہوئی عیاری، موقع پرستی اور اپنے ہی حواس باختہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مصنف نے ان کی گفتگو اور سوچ کے عمل میں آئی ٹی اور ریلوے کی اصطلاحات استعمال کر کے یہ دکھایا ہے کہ جدید صنعتی اور تکنیکی زندگی کس طرح انسان کو اندر سے بالکل روبوٹک اور بنجر بنا دیتی ہے۔ معروف ادبی تبصرہ نگار شہزاد حسین بھٹی ان کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی گفتگو کا انداز روایتی عاشقانہ نہیں بلکہ ایک خشک مینیجر کا ہے۔ کشیپ صاحب اور جوہر کی مضحکہ خیز جسمانی تیاری کا منظر متن سے ملاحظہ ہو:

> "ارے یار، آپ تو ایسے نروس ہو رہے ہیں، جیسے ہم آپ کو پینٹ اتارنے کو بول رہے ہیں۔ Detail کا کھیل ہے جوہر صاحب.... ہر فزیکل، پرسنل اور intimate detail کو دھیان میں رکھنا پڑے گا، ورنہ سب کے سامنے چرکُٹ بن جائیے گا۔ 'پہلے آپ اتاریے۔' جوہر منمنایا۔ کشیپ صاحب سمجھوتے پر اتر آئے، 'چلیے ایک ساتھ اتارتے ہیں؛ ایک، دو، تین۔' دونوں نے ایک جھٹکے سے اپنے اپنے شرٹ اتار دیے۔ جوہر کا سینہ تقریباً صاف تھا، جب کہ کشیپ صاحب کا سینہ بالوں سے بھرا ہوا تھا۔"[۴]

یہ منظر متوسط طبقے کی اس مضحکہ خیز اور اخلاقی طور پر زوال پذیر ذہنیت کا عکاس ہے جہاں انسان گناہ اور بے ہودگی کو بھی ایک باقاعدہ ڈسپلن، تکنیکی باریکی اور پیشہ ورانہ پروجیکٹ کا روپ دینے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ پروجیکٹ GPL (Greatest Planned Luck) کی تشکیل دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ سائنسی علم اور کارپوریٹ تجربہ انسان کے اندر اخلاقی بالیدگی پیدا کرنے کے بجائے بعض اوقات اس کی جبلتوں اور ہوس کو اور زیادہ منظم اور خطرناک بنا دیتا ہے۔ مصنف نے اس منظر میں جسمانی تیاری اور شرٹ اتارنے جیسے عمل کو جس طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے، وہ یہ واضح کرتا ہے

کہ کس طرح یہ کردار اپنی انسانی شرافت اور وقار سے تہی دامن ہو کر محض ایک تماشائی یا "جوکر" کے روپ میں ڈھل چکے ہیں۔

اسٹاپ واچ لے کر دوڑنا، قدموں کی گنتی کرنا، اور بیڈ روم کے جغرافیے کو سیکنڈوں کے حساب سے ناپنا انسانی حماقت اور نفسیاتی کجی کی وہ انتہا ہے جو یہ دکھاتی ہے کہ جب عقلِ سلیم پر ہوس کا غلبہ ہوتا ہے تو بڑے سے بڑا "جینئس" اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مینیجر بھی کس طرح ایک مضحکہ خیز مسخرے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مصنف نے پروجیکٹ کے مراحل کو آئی ٹی، ریلوے اور کارپوریٹ زبان میں بیان کر کے جدید دور کے اس انسان پر گہرا نشتر چلایا ہے جو جذبوں، محبت اور یہاں تک کہ گناہوں کو بھی فارمولوں کے تحت مینیج (Manage) کرنے کی خام خیالی میں مبتلا ہے۔ یہ کردار اس مغالطے میں جیتے ہیں کہ سائنسی درستگی (Scientific Precision) اور ریاضیاتی ٹائمنگ کے ذریعے وہ اپنے جرم کے نتائج سے بچ نکلیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تکنیک اور سائنس کا یہ غیر اخلاقی استعمال انہیں اندر سے مزید کھوکھلا کر دیتا ہے۔ یہاں وقت کا حساب رکھنا کسی مثبت مقصد کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کی نجی زندگیوں میں حریصانہ مداخلت کے لیے ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ متوسط طبقہ کس طرح اپنی اکتاہٹ کو دور کرنے کے لیے خود ہی اپنے رشتوں کی بنیادوں میں بارود بھر دیتا ہے۔ مزید برآں، اشعر نجمی نے اس بیانیے میں جدید ٹیکنالوجی کی اصطلاحات کو بطورِ طنز استعمال کر کے یہ دکھایا ہے کہ جدید صنعتی انسان کس طرح اپنے ضمیر کو سائنسی دلیلوں کے پیچھے چھپاتا ہے۔ جب گناہ کو ایک "پروجیکٹ" کا نام دے دیا جائے تو انسان سے اخلاقی احساسِ جرم ختم ہو جاتا ہے اور وہ اسے محض ایک ٹاسک (Task) یا ہدف کی صورت میں دیکھنے لگتا ہے۔ کشیپ صاحب کی یہ خام خیالی کہ وہ ہر قدم کو سیکنڈوں کے حساب سے ناپ کر فطرت کو چکمہ دے سکتے ہیں، ان کے گہرے باطنی خلا اور روحانی بیزاری کی علامت ہے۔ یہ پیراگراف جدید انسان کی اس بھیانک نفسیات کو بے نقاب کرتا ہے جہاں رشتوں کا تقدس، باہمی احترام اور اخلاقی حدود، سب کے سب سائنسی مفروضوں اور تکنیکی عیاری کی نذر ہو جاتے ہیں، اور انسان خود اپنے ہی بنائے ہوئے فارمولوں کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔

> "کشیپ صاحب بیڈ روم لوٹے۔ انھوں نے سب سے پہلے نائٹ لیمپ کی سوئچ آف کی اور احتیاطاً اس کا پلگ بھی نکال دیا، پھر سوچنے لگے، 'جوہر کو اپنے بیڈ کا پلگ نکالنا یاد ہوگا کیا؟' پھر خود کو سمجھانے لگے، 'آپ کے plug-ins صحیح بیٹھ گئے تو وہ نائٹ لیمپ کے پلگ کیوں ڈھونڈیں گی؟ Be positive! Just focus on her wild-button۔ وہ ہٹ تو سب فٹ۔' ان کے تصور کا گھوڑا دوڑنے لگا تھا..."(۵)

ناول "جوکر" میں اشعر نجمی نے کشیپ صاحب کا کردار جدید مادی اور مشینی دنیا کے اس اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مراعات یافتہ طبقے کی مکمل جراحی کے لیے تخلیق کیا ہے جو اپنی بظاہر نہایت معزز، سلیقہ مند اور تہذیب یافتہ سماجی زندگی کے پیچھے ہوس اور شدید اخلاقی دیوالیہ پن کو چھپائے پھرتا ہے۔ پیشے کے لحاظ سے وہ ریلوے کے چیف انجینئر ہیں، اور ان کا پورا وجود، ان کی باطنی جبلت، اور ان کے سوچنے کا انداز ریلوے ٹریکس اور ٹائمنگ کے نظام میں رچ بس چکا ہے۔ نفسیاتی طور پر کشیپ صاحب شدید نرگسیت اور احساسِ برتری کا شکار ہیں؛ وہ خود کو ایک ایسی سائنسی صفت جینئس سمجھتے ہیں جو اسٹاپ واچ کے بل بوتے پر اخلاقی حدود کو پامال کر سکتی ہے۔ ان کی شخصیت تکنیکی مہارت اور اخلاقی جہالت کے متضاد امتزاج کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ وہ ہر شے کو نظام اور ٹائمنگ کی عینک سے دیکھتے ہیں، یہاں تک کہ انسانی احساسات، جنسی خواہشات اور ازدواجی رشتوں کے تقدس کو بھی انہوں نے ٹائم ٹیبل اور سیکنڈوں کے فارمولے میں قید کر دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ چونکہ وہ ریلوے کے پورے ٹائم ٹیبل اور ٹریکس کو کنٹرول کرتے ہیں، اس لیے وہ انسانی زندگی، اخلاقیات اور گناہ کے واقعات کو بھی اپنے حساب سے کنٹرول کر سکتے ہیں۔

کشیپ صاحب کا ذہن مشینی آلات، سوئچز، پلگ انز اور مانیٹرنگ سسٹم کی طرح کام کرتا ہے۔ وہ انسانی تعلقات میں درپیش باریکیوں، جذبات کی لطافت اور اخلاقی نزاکتوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کا وجود یا جذبات کوئی جیتا جاگتا انسانی احساس نہیں بلکہ ایک ایسا الیکٹرانک سرکٹ ہے جسے "وائلڈ بٹن" (Wild-button) دبا کر اور "پلگ انز" (Plug-ins) کو صحیح جگہ فٹ کر کے اپنی مرضی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوچ جدید مادی انسان کے اس المیے کی نشاندہی کرتی ہے جہاں کارپوریٹ کلچر اور صنعتی سائنس نے رشتوں کی معنویت کو ختم کر کے انہیں محض آلات اور بٹنوں کی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک ٹرین کے نظام کو بٹن دبا کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح انسانوں کے اخلاقی رویوں اور جنسی جبلتوں کو بھی ریاضیاتی ٹائمنگ کے ذریعے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہی سائنسی نرگسیت اور خود پرستی انہیں یہ دھوکہ دیتی ہے کہ وہ کسی بھی خطرے سے محفوظ ہیں اور اپنے حریفوں یا شراکت داروں سے زیادہ ذہین ہیں۔ وہ اپنی ذات کے حصار میں اتنے بند ہیں کہ انہیں اپنے اردگرد پھیلی ہوئی عیاری، موقع پرستی اور اپنے ہی حواس باختہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مصنف نے ان کی گفتگو اور سوچ کے عمل میں آئی ٹی اور ریلوے کی اصطلاحات استعمال کر کے یہ دکھایا ہے کہ جدید صنعتی اور تکنیکی زندگی کس طرح انسان کو اندر سے بالکل روبوٹک، بے حس اور بنجر بنا دیتی ہے۔ وہ ہر رشتے میں انسانی قدر کے بجائے سائنسی افادیت (Efficiency) تلاش کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب ان کا اپنا بنایا ہوا تکنیکی فارمولا ناکام ہوتا ہے تو ان کے پاس سنبھلنے کا کوئی اخلاقی یا روحانی سہارا باقی نہیں رہتا۔

ان کا مائنڈ سیٹ اس حد تک مکینیکل ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بیڈ روم اور انسانی جسم کو بھی بجلی کے سوئچز کی صورت میں دیکھتے ہیں اور اس مغالطے میں رہتے ہیں کہ اسٹاپ واچ کا ایک ایک سیکنڈ ان کی ڈائریکشن کے مطابق چلے گا۔ لیکن جب فطرت اور انسانی جبلت ان کے سائنسی نقشے کو توڑتی ہے تو ان کا یہی سائنسی غرور ان کے لیے سب سے بڑا اخلاقی عذاب بن جاتا

ہے۔ یہی خود پرستی اور سائنسی غرور آگے چل کر ان کے اخلاقی زوال اور عبرتناک شکست کا سبب بنتا ہے۔ ناول کا سب سے بڑا طنزیہ اینٹی کلائمکس اس وقت برپا ہوتا ہے جب کشیپ صاحب کا سائنسی گھمنڈ مٹی میں مل جاتا ہے اور وہ اپنی ہی غلطی پر خون کے آنسو روتے ہیں:

> "کشیپ صاحب نے گھڑی پر نظر ڈالی اور ان کا دل ڈوبنے لگا۔ یہی وہ وقت تھا جب جوہر کو ان کی بیوی کے ساتھ "خفیہ کھیل" شروع کرنا تھا۔ اچانک کشیپ صاحب کا پورا جسم سوکھے پتوں کی طرح لرزنے لگا، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک بے ساختہ سیلاب جاری ہو گیا۔ میر وان کی طرف لپکی۔ 'کیا ہوا مسٹر کشیپ! آپ ٹھیک تو ہیں؟' کشیپ صاحب بھلا کیا جواب دیتے۔ ان کے اندازے کے مطابق اب تک تو جوہر اور سمن بس کلائمکس تک پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"(٦)

جوہر کا کردار مڈل کلاس منافقت، شاطرانہ جبلت اور پیشہ ورانہ عقل پسندی کا ایک گہرا استعارہ ہے۔ وہ اپنے جونیئر ہونے کے باوجود کشیپ جیسے ہائی آئی کیو انجینئر کو اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے۔ وہ تمام تر اخلاقی جرم سے آزاد ہو کر پروجیکٹ ڈیزائن کرتا ہے اور وقت آنے پر فرار ہو جاتا ہے۔ جوہر کا کردار دراصل متوسط طبقے کے اس شاطر، موقع پرست اور عملیت پسند طبقے کی عکاسی کرتا ہے جو دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانے میں ماہر ہوتا ہے۔ کشیپ صاحب کے مقابلے میں جوہر کے پاس سائنسی گھمنڈ کم لیکن عملی عیاری اور فرار کا راستہ تلاش کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے۔ وہ کشیپ کو اس پروجیکٹ کے خطرات کے آگے کر دیتا ہے اور خود پس پردہ رہ کر فائدے سمیٹنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس کے ذہن میں کسی قسم کا پچھتاوا، اخلاقی احساسِ جرم یا خلش نہیں ہے؛ وہ اس پورے المیے کو ایک موقع پرستی کے کھیل کی طرح کھیلتا ہے۔ جوہر کا کردار یہ بتاتا ہے کہ کس طرح مڈل کلاس کی چالاکی بظاہر معصوم اور جونیئر بن کر بڑے بڑے معززین کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ وہ گناہ کا پروجیکٹ اتنی خوبصورتی سے ڈیزائن کرتا ہے کہ جب تباہی کا وقت آتا ہے تو وہ خود کو بڑی صفائی سے باہر نکال لیتا ہے اور کشیپ کو ذلت و رسوائی کی دلدل میں تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ جوہر کی یہ شاطرانہ جبلت متوسط طبقے کے اس رویے کی نشاندہی کرتی ہے جہاں دوستی، ماتحتی اور شراکت داری محض ذاتی مفاد اور جنسی یا مادی تسکین کے لیے استوار کی جاتی ہیں۔ جوہر بظاہر کشیپ کے احکامات مانتا ہے اور ان کی سائنسی ڈائریکشنز کی پیروی کا ناٹک کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اندر سے ایک موقع پرست شکاری ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کشیپ کا سائنسی غرور ہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور وہ اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر کشیپ کی ذاتی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ جوہر کا فرار ہونا مڈل کلاس کی اس غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کا ثبوت ہے جو کسی بھی المیے کے بعد نتائج کا سامنا کرنے کے بجائے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتی ہے اور تمام تر نزلہ اپنے سے زیادہ احمق یا خود پرست ساتھی پر گرا دیتی ہے۔

''بندر کی چال چلتے ہوئے کشیپ صاحب سے گذر کر بنگلے کے لوہے کے
گیٹ تک پہنچے اور پھر سڑک پر آ گئے۔... اچانک اس موذی کتے کے بھونکنے
کی آواز سنائی دی... 'Let's proceed کشیپ صاحب! یہ موقع پتہ نہیں
پھر کب ملے؟' جوہر بولتا ہوا کشیپ صاحب کے بنگلے کی طرف بھاگ نکلا۔''
(۷)

کہانی کے اختتامی مناظر میں جوہر کی تیز رفتار کارروائی اور کشیپ کی مکمل اخلاقی و نفسیاتی شکست متوسط طبقے کی نام نہاد فتح اور حقیقی زوال کے المیے کو شاندار طریقے سے اجاگر کرتی ہے۔ جوہر، جس نے اس پورے گناہ کو ایک بزنس ڈیل یا تکنیکی مشن کی طرح انجام دیا، سمن کے ساتھ کام مکمل کرتے ہی ایک فرار ہونے والے مجرم یا راکٹ کی سی رفتار سے میدانِ عمل سے نکل بھاگتا ہے۔ اس کی یہ سرپا دوڑ اور راکٹ سے مشابہ رفتار مڈل کلاس کی اس حریصانہ اور موقع پرست ذہنیت کی علامت ہے جو صرف اپنا مفاد حاصل کرنا جانتی ہے اور نتائج یا اخلاقی ناہمواریوں کا بوجھ دوسرے شراکت دار پر ڈال کر خود کو بڑی صفائی سے الگ کر لیتی ہے۔ جوہر کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس عمل کا کشیپ کی زندگی یا ان کے ازدواجی رشتے پر کیا اثر پڑے گا؛ اس کے نزدیک پروجیکٹ ختم ہوا اور اس کی ذمہ داری بھی وہیں دم توڑ گئی۔ دوسری طرف، کشیپ صاحب کی حالت اس شخص جیسی ہے جس کے تمام سائنسی و ریاضیاتی مفروضے دم توڑ چکے ہوں۔ وہ کشیپ صاحب جو اسٹاپ واچ ہاتھ میں لیے بیڈ روم کے سیکنڈز ناپتے تھے اور خود کو ریلوے کا بے تاج بادشاہ تصور کرتے تھے، اب ایک تھکے ہارے، حواس باختہ اور شکستہ پا وجود کے ساتھ اپنے ہی گھر میں واپس لوٹتے ہیں۔ جب وہ بیڈ روم کے دروازے پر پہنچ کر سوتی ہوئی سمن کو دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ خوفناک اور ہولناک حقیقت چھید جاتی ہے کہ ان کا وہ سائنسی پروجیکٹ جو انہوں نے دوسروں پر فتح حاصل کرنے کے لیے بنایا تھا، ان کے اپنے ہی گھر کی تباہی پر منتج ہوا ہے۔ سمن کی وہ گہری اور بے سدھ نیند، جو کسی وصال کی تھکاوٹ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، کشیپ کے مردانہ غرور، سائنسی نرگسیت اور خود ساختہ برتری پر سب سے بڑا آخری تھپڑ بن جاتی ہے۔ کشیپ صاحب کا ایک لاش کی طرح بیڈ پر گرنا محض ایک جسمانی تھکاوٹ کا اظہار نہیں ہے، بلکہ یہ ان کی باطنی روح، ان کے سائنسی گھمنڈ اور ان کے پورے مادہ پرستانہ فلسفۂ حیات کی موت کا المیہ ہے۔ اشعر نجمی نے اس منظر کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اخلاقی بے راہ روی کا انجام کبھی فتح یا کامیابی نہیں ہوتا، بلکہ انسان اپنے ہی بنے ہوئے چکر اور عیاری کے جال میں پھنس کر آخر کار ایک بے حس اور مردہ وجود بن جاتا ہے۔ یہ منظر مڈل کلاس کے اس انجام کو بھی دکھاتا ہے جہاں مادی آسائشیں اور ڈگریاں انسان کو گناہ کے نتائج اور ضمیر کے بوجھ سے نہیں بچا سکتیں۔

''کشیپ صاحب جب مسز رابنسن کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے،
دوسری طرف سے بھاگ کر آتا ہوا جوہر ان سے ٹکرا گیا۔ کشیپ صاحب
نے اسے روک کر کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ راکٹ کی طرح اپنے بنگلے

کی طرف بھاگ گیا۔ تھکے ہارے قدموں سے وہ جب اپنے بیڈ روم میں آئے
تو سب سے پہلے انھوں نے سوتی ہوئی سمن پر نظر ڈالی۔ انھوں نے سوچا کہ
ایسی گہری نیند صرف تھکا دینے والے وصال کے بعد ہی آتی ہے۔ وہ لڑکھڑا
گئے، خود کو سنبھالنے کے لیے انھوں نے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا لیکن پھر کسی
لاش کی طرح بیڈ پر گر گئے۔"(۸)

فنِ کردار نگاری کی ایک اہم باریکی یہ بھی ہے کہ ہر کردار حالات کو اپنی اپنی ذہنی سطح اور ادراک کے مطابق سمجھتا ہے۔ اگر تمام کرداروں کی سوجھ بوجھ ایک جیسی ہو جائے تو کہانی میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ادراک کے عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر مجید بیدار کہتے ہیں:

"ناول کے کرداروں میں ادراک کا عمل بھی موجود ہوتا ہے۔ کردار وضع
کرتے وقت ناول نگار تمام حسیات کے ساتھ ہر کردار کے ماحول اور اس کے
مزاج کے مطابق ادراک سے نوازتا ہے چنانچہ ایک گندہ بستی سے وضع
ہونے والے اور ایک مالدار گھرانے میں پلنے والے کردار کے ادراک میں
ناول نگار کو لازمی طور پر فرق بتانا پڑتا ہے ہر دو کردار کی سوجھ بوجھ میں
فرق کی کئی وجوہات ہو سکتی لیکن ایک حقیقت ہے کہ ناول کا ہر کردار اپنی
اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق عمل کرتا نظر آتا ہے اور کردار کو ایک ہی قسم
کے ادراک کا آئینہ دار بتائے تو لازمی طور پر کرداروں میں مماثلت پیدا ہو
جائے گی۔"(۹)

اس تنقیدی بصیرت کا بہترین عملی اطلاق ناول "جوکر" کے ڈراپ سین پر میرو اور کشیپ صاحب کے مابین ادراک کے اسی بنیادی فرق پر ہوتا ہے۔ میرو کا کردار بظاہر ایک ستی ساوتری، سگھڑ اور روایتی عورت کے طور پر متعارف ہوتا ہے، مگر ڈراپ سین پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک انتہائی شاطر اور پیشہ ور مائلڈ ایسکارٹ(Moving Escort) ہے جو آل انڈیا ٹرینوں میں بک رہتی ہے۔ کشیپ صاحب اپنی اعلیٰ ڈگریوں اور سائنسی ادراک کے باوجود میرو کو ایک معصوم عورت سمجھتے رہے، جبکہ میرو اپنے گلی محلوں اور معاشی دنیا کے ادراک کی بنیاد پر ان کی اس حماقت پر مسکرا رہی تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر کشیپ صاحب کے ساتھ اس کی گفتگو مردانہ انا اور نام نہاد ادراک پر سب سے کاری ضرب ہے۔ اشعر نجمی نے میرو کے کردار کے ذریعے معزز اور شرفاء کہلانے والے مردانہ طبقے کا بھیانک چہرہ بے نقاب کیا ہے۔ جو مرد عورت کو محض اپنی جنسی فینٹسیز، سائنسی پلاننگ اور تفریح کا سامان سمجھتے ہیں، میرو کا انکشاف ان کے منہ پر ایک زبردست تھپڑ بن کر پڑتا

ہے۔ وہ مردوں کی اس خام خیالی کو چکنا چور کر دیتی ہے کہ وہ کسی معصوم اور گھریلو عورت کو اپنے جال میں پھنسا رہے تھے؛ بلکہ حقیقت میں وہ خود ایک ایسی پیشہ ور عورت کے ہاتھوں استعمال ہو رہے تھے جو ان کے پورے سائنسی منصوبے اور حماقت پر ہنس رہی تھی۔ میرو کا یہ انکشاف نہ صرف کشیپ کے مردانہ غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے بلکہ پوری سوسائٹی کے ان معززین کے چہروں سے پردہ اٹھاتا ہے جو ٹرینوں، ہوٹلوں اور بند کمروں میں اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ایسی عورتوں کو خریدتے ہیں۔ میرو اس کاروباری اور تجارتی دنیا کی وہ ننگی حقیقت ہے جو شرافت کا برقع اوڑھے ہوئے متوسط طبقے کو اس کا اصلی چہرہ دکھاتی ہے۔ میرو کا کردار نظام کے تجارتی اصولوں کو مکمل طور پر سمجھتا ہے۔ وہ مردوں کی نفسیات، ان کی معصومیت کے ڈھونگ اور ان کی اخلاقی کمزوریوں کا پورا فائدہ اٹھاتی ہے۔ وہ کسی جذباتیت یا اخلاقی جرم کا شکار ہوئے بغیر اپنے کام کو ایک باقاعدہ دھندے کے طور پر کرتی ہے۔ جب کشیپ صاحب اس پر اخلاقیات یا ستی ساوتری کا ناٹک کرنے پر غصہ ہوتے ہیں، تو میرو کا ٹھنڈا اور بے باک جواب اس مڈل کلاس اخلاقیات پر گہرا طنز بن جاتا ہے جو پیسے کے بدلے شرافت خریدنا چاہتی ہے۔ میرو کا یہ اعتراف کہ "گاہک اس کے پیسے دے رہا تھا" ثابت کرتا ہے کہ اس سماج میں معزز ترین مرد بھی جنسی تسکین کی منڈی کے خریدار ہیں اور ان کی تمام تر سائنسی ترقی اور سماجی مرتبے کی کوئی حیثیت اس منڈی کے سامنے نہیں ہے۔ میرو اس کہانی میں مظلوم عورت نہیں ہے، بلکہ وہ اس تجارتی اور منافقانہ مردانہ نظام کی ایک ایسی پیداوار ہے جو اپنے ہی خریداروں کو بے وقوف بنا کر اپنا فائدہ نکالنا خوب جانتی ہے۔

> ''میرا دھندا ہے، میرو نے سارے پتے اب کھول دیے، پورے سال ٹرین میں اپنی بکنگ رہتی ہے... نارتھ سے ساؤتھ... ایسٹ سے ویسٹ... ٹرین میں جو کروں اور دھکم پیل کے شوقینوں کی کمی نہیں ہے کشیپ صاحب۔' میرو نے انھیں آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ 'تو ستی ساوتری بننے کا ناٹک کیوں؟' کشیپ صاحب اس کی بے حیائی پر جھنجھلا گئے۔ 'کیوں کہ گاہک اس کے پیسے دے رہا تھا کشیپ صاحب... سمن دیدی کو میرا پرنام کہیے گا اور پلیز دعا کیجیے گا کہ میری سونو بڑی ہو کر ان کے جیسی بنے، میری جیسی نہیں۔''(۱۰)

سمن ناول کا واحد مثبت اور پاکیزہ کردار ہے جو شوہر کی ہر ناپاک چال سے بے خبر رہ کر اپنے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال میں مگن رہتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی رات کے ساڑھے سات بجے سونے کے حکم کو محبت کا پیغام سمجھتی ہے۔ سمن کا کردار مشرقی عورت کے روایتی خلوص، سادگی اور شوہر پر اندھے اعتماد کی عکاسی کرتا ہے۔ جہاں ایک طرف پورا سوسائٹی اور اس کے انجینئرز ہوس، پروجیکٹس اور عیاری کے جال بچھا رہے ہیں، وہاں سمن اپنی معصومیت اور روایتی اقدار کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہے۔ اس کا سانحہ یہ ہے کہ جس گھر کو وہ اپنی محبت اور محنت سے سنوار رہی ہے، اس کا اپنا شوہر اس کی بنیادوں میں ہوس کی سرنگیں کھود رہا ہے۔ اس کا بے خبر رہنا اور شوہر کی بدنیتی کو محبت کا نام دینا کہانی کے طنز کو مزید دردناک اور المیہ بنا

دیتا ہے۔ اشعر نجمی نے سمن کے کردار کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح معصوم اور پاک دامن کردار اس بدعنوان سماج میں منافق مردوں کی سازشوں کا بے خبر شکار بنتے ہیں۔ سمن کی معصومیت اور اس کا اپنے شوہر کے لیے سچا جذبہ کشیپ کی گھناؤنی عیاری کے مقابلے میں ایک شدید اخلاقی تضاد (Moral Contrast) پیدا کرتا ہے۔ قاری سمن کی سادگی اور شوہر سے محبت کے جذبے کو دیکھ کر ایک طرف ہمدردی محسوس کرتا ہے تو دوسری طرف کشیپ کی کم ظرفی اور ہوس پرستی پر اسے شدید غصہ آتا ہے۔ سمن کا کردار اس حقیقت کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ متوسط طبقے کے اندر مشرقی خاندانی اقدار اور وفاداری ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی، لیکن جدید مادیت اور خود غرض مردانہ ذہنیت ان پاکیزہ رشتوں کو اپنے مفاد کے لیے قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ سمن ناول میں ایک ایسے جزیرے کی مانند ہے جو گرد و پیش کی تمام تر گندگی کے باوجود اپنی اصل حالت میں قائم ہے، مگر اس کا اپنا شوہر ہی اس جزیرے کو غرق کرنے کی سازش میں مصروف ہے۔

> "سمن ان کی باتیں نہیں سن رہی تھی، وہ تو آنے والے لمحوں کے سحر کی گرفت میں تھی۔ جیسے سمن کے ہاتھ میں کوئی پرانا خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ وہ آج کشیپ صاحب کا سات خون معاف کرنے کو تیار نظر آرہی تھی۔"(۱۱)

کسی بھی فکشن نگاری کی معنوی تکمیل میں ذیلی اور ضمنی کرداروں کا وجود بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگرچہ ذیلی کرداروں کا اپنا ارتقا بذاتِ خود مقصد نہیں ہوتا، مگر وہ مرکزی کرداروں کے گرد ایسا ماحول اور رویے وضع کرتے ہیں جن سے مرکزی کرداروں کی باطنی حقیقت اور کہانی کا سفر تیزی سے سامنے آتا ہے۔ "جوکر" کے ذیلی کردار بھی انجینئرز انکلیو کے اخلاقی بگاڑ اور منافقانہ ماحول کو نکھارنے میں یہی کام انجام دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ ذیلی کرداروں کے اسی فنی کردار کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "ذیلی یا ضمنی کردار مرکزی کرداروں کو اور واضح بنانے یا قصے کی رفتار کو آگے بڑھانے میں مدد ہوتے ہیں۔ ان کا ارتقاء بجائے خود اہم نہیں ہوتا، بلکہ یہ مرکزی کرداروں کے ارتقاء کے لیے اہم ہوتے ہیں۔"(۱۲)

اس تنقیدی اصول کے تحت کہانی کے دیگر ذیلی کردار بھی معاشرتی منافقت کو نمایاں کرتے ہیں۔ بھٹ صاحب سوسائٹی کے مخلص بزرگ و محافظ ہیں جن کی نگاہیں معاشرتی برائی کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہیں مگر خود غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ متن میں آتا ہے کہ وہ ثبوت کی خاطر اپنے موبائل کے کیمرے سے ان کی تصویر اتارنے ہی والے تھے۔ بھٹ صاحب کا کردار اس معاشرتی رویے کی نمائندگی کرتا ہے جہاں لوگ اصلاح اور تحفظ کے نام پر دوسروں کی نجی زندگیوں میں جھانکنے اور جاسوسی کرنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن اصل حقیقت سے ہمیشہ ناواقف رہتے ہیں۔ اسی طرح پنڈت کا

کردار رسم پرست مذہبی طبقے کا نمائندہ ہے جو گناہوں اور سازشوں کے درمیان بھی مذہبی رسوم اور بیانات میں مشغول رہتا ہے اور کشیپ سے کہتا ہے کہ بیٹھے رہے ججمان، پیچ کتھا سے اٹھنا ورجت ہے۔ یہ کردار مذہب کے اس رسمی اور مادہ پرستانہ استعمال پر طنز ہے جہاں اندرونی پاکیزگی اور اخلاقیات کے بجائے صرف ظاہری رسوم اور چند ٹکوں کے نذرانے کو ہی مذہب سمجھ لیا گیا ہے۔ سریش کا کردار ایک جونیئر ملازم کا ہے جو صداقت کا آئینہ دار ہے اور افسران کی زوال پذیر اخلاقیات پر کھلم کھلا طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سچی سر، بڑے کیوٹ لگتے ہیں آپ چرکُٹ۔ سریش کی یہ بے باکی دراصل اس جدید نسل کی آواز ہے جو سینئرز اور افسران کے بناوٹی وقار کے پیچھے چھپے ہوئے پھوہڑ پن کو صاف دیکھ لیتی ہے اور ان کا احترام کرنے کے بجائے ان پر ہنستی ہے۔ جب کہ کترینا کا کردار ایک عملی اور بے باک تجارتی عورت کا ہے جو اپنے فائدے کے لیے پوچھتی ہے کہ گولی ہے نا تیرے پاس؟ یہ تمام ذیلی کردار مل کر اس کارنیوال اور انجینیئرز انکلیو کے ماحول کو مکمل کرتے ہیں، جہاں ہر شخص اخلاقیات کا ڈھونگ رچا رہا ہے لیکن باطن میں سب ایک ہی سڑے ہوئے نظام کا حصہ ہیں۔ ذیلی کرداروں کا یہ تنوع ثابت کرتا ہے کہ یہ منافقت اور اخلاقی زوال محض ایک یا دو افراد تک محدود نہیں، بلکہ اس نے پورے معاشرتی ساخت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ مذہبی طبقات سے لے کر سوسائٹی کے نگراں بزرگوں اور جونیئر ملازمین تک، ہر فرد اس مضحکہ خیز ڈرامے کا ایک مہرہ ہے۔ پنڈت کی رسم پرستی اور بھٹ صاحب کی جاسوسی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ سماج کی اخلاقی ناہمواریوں کو دور کرنے والے ادارے اور افراد خود بصیرت سے محروم ہو چکے ہیں۔ وہ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کی سڑاند سے بے خبر رہتے ہیں۔ یہ ذیلی کردار کثیر الرخی انداز میں مرکزی پلاٹ کو فکری تقویت دیتے ہیں اور کہانی کے طنزیہ بیانیے کو ایک کائناتی اور ہمہ گیر روپ عطا کرتے ہیں۔

ناول ''جوکر'' کے تمام کرداروں کا دراساتی و نفسیاتی جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اشعر نجمی نے اس ناول کے ذریعے جدید دور کے انسان کی اخلاقی گراوٹ، بناوٹی پن اور ہوس پرستی پر گہرا تازیانہ برسایا ہے۔ جب انسان اپنی عقل اور تعلیم کو اخلاقیات سے آراستہ کرنے کے بجائے ہوس کے فارمولے بنانے میں صرف کرتا ہے تو قدرت اسے عبرت کا نشان بنا دیتی ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ سائنس، تکنیک، اور عقلیت کے بل بوتے پر قدرت اور اخلاقی اصولوں کو دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن ناول کا انجام یہ بتاتا ہے کہ اخلاقی بے راہ روی کا انجام صرف اور صرف روحانی موت، ذات کا انتشار اور ناقابلِ تلافی پچھتاوا ہے۔ اشعر نجمی نے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کی اس مضحکہ خیز جدوجہد کو بے نقاب کر کے قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا مادی ترقی اور سائنسی دانش ہمیں انسان بنا رہی ہے یا ایک باقاعدہ منظم جوکر؟ بالآخر، گناہ کے تمام تر سائنسی نقشے ناکام ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے ہی بنے ہوئے جال میں پھنس کر تنہائی اور پچھتاوے کی دلدل میں سسکتا رہ جاتا ہے۔ جدید دور میں مادی کامیابیوں کو ہی سعادت اور عزت کا معیارات تسلیم کر لیا گیا ہے، جبکہ روحانی اور اخلاقی اقدار کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اعلیٰ ترین عہدوں اور ڈگریوں کے حامل افراد بھی اندرونی طور پر انتہائی پست اور اخلاقی لحاظ سے مفلوج ہوتے ہیں۔ اشعر نجمی نے اپنے تیکھے طنز کے ذریعے متوسط طبقے کے اسی بھیانک چہرے کو

بے نقاب کیا ہے۔ یہ ناول قاری کو محض تفریح فراہم نہیں کرتا بلکہ اسے اپنے اندر جھانکنے اور سماجی منافقت کی اس بھیانک دلدل کو سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔ عصری اردو ادب میں یہ ناول اخلاقی منافقت کی جراحی کا ایک یادگار شاہکار ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، "ناول کیا ہے؟" لکھنؤ: دانش محل الدولہ پارک، ۱۹۵۱ء، ص ۲۵

۲۔ نجم الہدیٰ، ڈاکٹر، "کردار اور کردار نگاری" پٹنہ: بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء، ص ۴۵

۳۔ ممتاز احمد خان، "آزادی کے بعد اردو ناول، پاکستان: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۸ء، ص ۵۳

۴۔ اشعر نجمی، "جوکر"، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۲، ص ۱۲۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۳،۱۵۴

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۹۔ مجید بیدار، ڈاکٹر، "ناول اور متعلقات ناول"، حیدر آباد: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۹ء، ص ۸۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۲۔ نجم الہدیٰ، ڈاکٹر، "کردار اور کردار نگاری" ص ۱۰۰

Referance:

1. Ahsan Farooqi, Dr., Noor-ul-Hasan Hashmi, Dr., "Novel Kya Hai?", Lucknow: Danish Mahal Aghaaz Park, 1951, p. 25

2. Najm-ul-Huda, Dr., "Kirdar Aur Kirdar Nigari", Patna: Bihar Urdu Academy, 1980, p. 45

3. Mumtaz Ahmad Khan, "Aazadi Ke Baad Urdu Novel", Pakistan: Anjuman Taraqqi Urdu, 1998, p. 53

4. Ashar Najmi, "Joker", Karachi: City Book Point, 2022, p. 127

5. Ibid, p. 147

6. Ibid, p. 153, 154

7. Ibid, p. 149

8. Ibid, p. 154

9. Majeed Bedar, Dr., "Novel Aur Mutallaiqat-e-Novel", Hyderabad: National Fine Printing Press, 1989, p. 85

10. Ibid, p. 159

11. Ibid, p. 145

12. Najm-ul-Huda, Dr., "Kirdar Aur Kirdar Nigari", p. 100